فصل ششم

عالمگیر اُمتِ مُسلمہ کی تاسیس

دعوتِ اسلامی کا ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ تمام دنیا کے انسان اصل میں ایک، اور آدمی ہونے کی حیثیت سے مساوی ہیں۔ اُن کے درمیان اللہ کی بنائی ہوئی فطرت نے قوموں، نسلوں، قبیلوں، زبانوں، وطنوں اور رنگوں کا جو فرق رکھا ہے وہ محض تعارُف کے لیے ہے تاکہ اُن کے درمیان تعاون ہو سکے، نہ اِس لیے کہ اُن کے درمیان اِس سے تفریق رُونما ہو، عداوتیں پڑیں، ایک گروہ دوسرے گروہوں کو ذلیل اور اپنے آپ کو افضل و اشرف سمجھے، اور ایک گروہ دوسروں کو دبانے، لُوٹنے اور مٹا دینے پر تُل جائے۔ اِس بنیادی انسانی مساوات کے دائرے میں اگر کوئی چیز لوگوں کے درمیان جائز اور معقول طور پر وجہِ اجتماع بن سکتی ہے تو وہ صحیح عقیدہ و فکر ہے جس پر وہ جمع ہو کر ایک اُمّت بنیں، اور اس اُمّت میں بجا طور پر کوئی شے اگر سببِ فضیلت بن سکتی ہے تو وہ تقویٰ ہے، یعنی خدا سے ڈرنا، اُس کی نافرمانی سے بچنا اور آخرت کی باز پُرس کو یاد رکھ کر غلط راہوں پر چلنے سے باز رہنا۔

اِس نظریے پر اسلام نے دنیا بھر کے انسانوں میں صرف ایک تفریق کو باقی رکھا، اور وہ تھی ایمان اور کُفر کی تفریق — جو انسان بھی، خواہ وہ کسی مُلک، قوم، قبیلے، رنگ یا نسل سے تعلق رکھتا ہو، اور خواہ وہ کوئی زبان بولتا ہو، اللہ کی توحید کو اُس طرح مان لے جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُسے پیش کیا ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کو تمام نوعِ انسانی کے لیے اللہ کا آخری رسول اور قرآن کو اللہ کی آخری کتاب تسلیم کر لے، اور آخرت پر یقین لائے، وہ مومن ہے، مومنوں کا بھائی ہے، جماعتِ مومنین کا ایک رکن ہے، اُمّتِ مسلمہ کا ایک فرد ہے، اور مسلم معاشرے میں اُس کے حقوق ہر لحاظ سے مُساوی ہیں۔ اِس کے برعکس جو شخص بھی، خواہ وہ مومن کا باپ، ماں، بھائی، بہن، بیٹا،

بیٹی، بیوی یا شوہر ہی کیوں نہ ہو اِس عقیدے کو نہ ماننے وہ کافر ہے، ہم قبیلہ یا ہموطن، یا ہمرنگ ہونا تو پھر بھی بعد کا درجہ رکھتا ہے۔ مومن اُس کے ساتھ انسانی تعلق تو باقی رکھے گا، لیکن دوسرے ہر لحاظ سے اس کا معاشرہ مسلم معاشرے سے الگ ہوگا۔ وہ دنیا کے معاملات میں تو اُس کے ساتھ وہ سب روابط رکھ سکتا ہے جو انسانوں کے درمیان فطری طور پر ہوتے ہیں، مگر دین کے معاملہ میں وہ اس سے دوستی اور محبت نہیں رکھ سکتا، اس کے ساتھ مل کر ایک جماعت اور ایک معاشرہ نہیں بنا سکتا، حتیٰ کہ اس کا باپ بھی اگر کافر تھا تو وہ اس کے لیے دعائے مغفرت تک نہیں کر سکتا۔ دین کے معاملہ میں جنگ کی نوبت آجاتے تو بھائی بھائی سے اور باپ بیٹے سے لڑ جائے گا اور اسے کاٹ پھینکنے میں ذرا تامّل نہ کرے گا، وطن اور قوم دین کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں تو وہ گھر بار اور قوم و وطن سب کو چھوڑ کر ہجرت کر جائے گا مگر اپنے دین کو وطنیت اور قومیت پر ہرگز قربان نہ کرے گا۔

اِس اُمت کا نام ہمیشہ سے "اُمتِ مسلمہ" تھا، ہر نبی کی اُمت مسلم ہی تھی، اور یہی نام اُن لوگوں کا بھی رکھا گیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اِس کے دروازے عرب و عجم، کالے اور گورے، غرض رُوئے زمین کے ہر شخص کے لیے کُھلے تھے، خواہ وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا، شمال کا باشندہ ہو یا جنوب کا۔ اِس میں کسی قوم کے لیے کوئی ایسی خصوصیت نہ تھی جو کسی دوسری قوم کو حاصل نہ ہو۔ اِس کی بنا اتفاقی پیدائش پر نہ تھی بلکہ شعوری ایمان پر تھی۔ اور اِس ایمان میں دنیا بھر کے جو لوگ بھی شریک ہوں وہ بالکل برابر کے حقوق کے ساتھ اِس اُمت میں شریک ہو سکتے تھے۔

پھر یہ اُمت محض مان کر بیٹھ جانے والوں کی اُمت نہ تھی، بلکہ ایک داعی اور مبلّغ اُمت تھی۔ اس کا ہر فرد ایک تحریک کا کارکن تھا جس کا سب سے عزیز تر مقصد یہ تھا کہ جو حق اُسے اللہ کے رسول اور اس کی کتاب کے ذریعہ سے ملا ہے اسے دوسروں تک پہنچائے اور جتنے اللہ کے بندوں کو بھی دنیا میں گمراہی سے اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچانے کی کوشش کر سکتا ہو کرے۔

یہ وہ چیز تھی جس پر صرف قریش ہی نہیں بلکہ عرب کے سارے قبائل تلملا اُٹھے۔ ہزاروں برس سے اُن کا پورا اجتماعی نظام قبائلیت پر مبنی تھا۔ قبیلہ ہی وہ چیز تھی جس سے وابستگی پر اُن کا معاشرہ قائم تھا۔ یہی چیز اُن کی پشت پناہ تھی۔ خونی رشتے ہی اُن کے درمیان ربط و تعلق اور ہمدردی و مددگاری کی بُنیاد تھے۔ اِسی پر وہ اپنے شرف اور عزت و کرامت کا مدار رکھتے تھے۔ اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلے

پر اپنا سارا فخر و ناز اس بنا پر جتاتا تھا کہ اُس کے آبا واجداد نے فلاں فلاں کارنامے انجام دیے تھے۔ اب جو انہوں نے دیکھا کہ اُن کے درمیان ایک ایسی دعوت اُٹھ رہی ہے جو قبائلیت کی جڑ ہی کاٹے ڈالتی ہے، جو ہر قوم اور قبیلے کے اندر سے آدمی نکال نکال کر اُن کو ایک مستقل جماعت الگ نام سے بنا رہی ہے، جو نہ قوم جانتی ہے نہ قبیلہ، بلکہ ایک عقیدے پر عالمگیر اُخوّت اور رفاقت کی بنیاد رکھ رہی ہے، جو فخر و شَرَف کے سارے قدیم تصوّرات کا خاتمہ کر کے "رذیل" اور "شریف" سب کو برابر کیے دے رہی ہے، اور کفر و ایمان کے اختلاف کو دوستی و دشمنی کا مدار ٹھیرا کر بیٹے کو باپ سے، بھائی کو بھائی سے، شوہر کو بیوی سے جدا کر رہی ہے، تو اُن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اِس عظیم معاشرتی انقلاب کو ہضم کرنا اُن کے بس میں نہ رہا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اِس کَلی کو ابتدا ہی میں مَسل ڈالا جائے تاکہ اس کے کبھی پھول، اور پھول سے باغ بننے کی نوبت ہی نہ آسکے۔ لیکن جن لوگوں کے دماغ میں عقل تھی اور جن کے دل پر تعصبات کے قفل چڑھے ہوئے نہ تھے انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہی وہ نسخۂ کیمیا ہے جو قبائلی عداوتوں اور نفرتوں کو مٹا کر تمام عرب کو متحد کر سکتا ہے، اور پھر عرب سے گذر کر دنیا بھر کی قوموں کو ایک لڑی میں پرو سکتا ہے۔

دعوتِ اسلامی کے اِس جُز کا مُلخّص جو اُوپر بیان کیا گیا ہے اس کی پوری اہمیت اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے جب قرآن مجید سے اس کی تفصیلات آدمی کے سامنے آجائیں۔

تمام انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہیں اور ان میں فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے

اس سلسلے میں سب سے پہلی حقیقت جو قرآن مجید میں بیان کی گئی وہ یہ تھی کہ پوری نوعِ انسانی ایک ماں اور باپ کی اولاد ہے اور اِس بنا پر تمام انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہیں۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ	اے انسانو، ڈرو اپنے اُس رب سے جس نے
الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ	تم کو ایک فردِ واحد سے پیدا کیا اور اُسی سے
وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا	اس کا جوڑا بنایا اور اُن دونوں سے بہت
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا	سے مرد و عورت (دنیا میں) پھیلا دیے۔
وَّنِسَآءً۔ (النساء-۱)	

اس کے بعد دوسری اہم حقیقت جو قرآن نے دنیا کے سامنے پیش کی وہ یہ تھی کہ انسانی وحدت کے اندر قوموں اور قبیلوں کی کثرت جو اللہ نے پیدا کی ہے وہ صرف تعارُف کے لیے ہے، اور اُن کے درمیان

فضیلت کا معیار نسل و رنگ اور زبان و وطن نہیں بلکہ تقویٰ کی اخلاقی صفت ہے:

یَاۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ	اے انسانو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک
مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ	عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں
جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ	بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت
لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ	وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار
(الحجرات - ۱۳)	ہے (یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا)۔

اس آیت میں پوری نوعِ انسانی کو خطاب کر کے اُس عظیم گمراہی کی نشاندہی کر دی گئی جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کی موجب بنی رہی ہے، یعنی نسل، رنگ، زبان، وطن اور قومیت کا تعصّب۔ قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اس نے اپنا اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ اتفاقی پیدائش (ACCIDENT OF BIRTH) کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ کہیں اِن کی بنا ایک خاندان، قبیلے، یا نسل میں پیدا ہو جانا ہے، اور کہیں ایک جغرافی خطے میں، یا ایک خاص رنگ والی، یا ایک خاص زبان بولنے والی قوم میں پیدا ہونا۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے وہ صرف اِسی تک محدود نہیں رہی ہے کہ جنہیں اِس لحاظ سے اپنا قرار دیا گیا ہو اُن کے ساتھ غیروں کی بہ نسبت زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو، بلکہ اِس تمیز نے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین شکلیں اختیار کی ہیں۔ اس کے لیے فلسفے گھڑے گئے ہیں۔ مذاہب ایجاد کیے گئے ہیں۔ قوانین بنائے گئے ہیں۔ اخلاقی اصول وضع کیے گئے ہیں۔ قوموں اور سلطنتوں نے اِس کو اپنا مستقل مسلک بنا کر صدیوں اس پر عمل درآمد کیا ہے۔ یہودیوں نے اِسی بنا پر بنی اسرائیل کو خدا کی چیدہ مخلوق بلکہ ابناء اللہ ٹھیرایا اور اپنے مذہبی احکام تک میں غیر اسرائیلیوں کے حقوق اور مرتبے کو اسرائیلیوں سے فروتر رکھا۔ ہندوؤں کے ہاں وَرن آشرم کو اسی تمیز نے جنم دیا جس کی رُو سے برہمنوں کی برتری قائم کی گئی، اُونچی ذات والوں کے مقابلے میں تمام انسان نیچ اور ناپاک ٹھیرائے گئے، اور شودروں کو انتہائی ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ کالے اور گورے کی تمیز نے افریقہ اور امریکہ میں سیاہ فام لوگوں پر جو ظلم ڈھائے ان کو تاریخ

کے صفحات میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، آج اِس بیسویں صدی ہی میں ہر شخص اپنی آنکھوں سے اُنہیں دیکھ سکتا ہے۔ یورپ کے لوگوں نے براعظم امریکہ میں گھس کر ریڈ انڈین نسل کے ساتھ جو سلوک کیا، اور ایشیا اور افریقہ کی کمزور قوموں پر اپنا تسلط قائم کر کے جو برتاؤ اُن کے ساتھ کیا، اُس کی تہ میں بھی یہی تصوّر کارفرما کہ اپنے وطن اور اپنی قوم کے حدُود سے باہر پیدا ہونے والوں کی جان، مال اور آبرو اُن پر مُباح ہے اور اُنہیں حق پہنچتا ہے کہ اُن کو لُوٹیں، غلام بنائیں، اور ضرورت پڑے تو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ مغربی اقوام کی قوم پرستی نے ایک قوم کو دوسری قوموں کے لیے جس طرح درندہ بنا کر رکھ دیا ہے اس کی بدترین مثالیں زمانۂ قریب کی لڑائیوں میں دیکھی جا چکی ہیں اور آج دیکھی جا رہی ہیں۔ خصوصیّت کے ساتھ نازی جرمنی کا فلسفۂ نسلیّت اور نارڈک نسل کی برتری کا تصوّر پچھلی جنگ عظیم میں جو کرشمے دکھا چکا ہے انہیں نگاہ میں رکھا جائے تو آدمی بآسانی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کتنی عظیم اور تباہ کُن گمراہی ہے جس کی اصلاح کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اِس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مُخاطب کر کے تین نہایت اہم اصولی حقیقتیں بیان فرمائی ہیں:

ایک یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے، ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری نوع وجود میں آئی ہے، اور آج تمہاری جتنی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھی۔ اِس سلسلۂ تخلیق میں کسی جگہ بھی اُس تفرقے اور اونچ نیچ کے لیے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے جس کے زعم باطل میں تم مبتلا ہو۔ ایک ہی خدا تمہارا خالق ہے، ایسا نہیں ہے کہ مختلف انسانوں کو مختلف خداؤں نے پیدا کیا ہو۔ ایک ہی مادّہ تخلیق سے تم بنے ہو، ایسا بھی نہیں ہے کہ کچھ انسان کسی پاک یا بڑھیا مادّے سے بنے ہوں اور کچھ دوسرے انسان کسی ناپاک یا گھٹیا مادّے سے بن گئے ہوں۔ ایک ہی ماں باپ کی تم اولاد ہو، یہ بھی نہیں ہے کہ ابتدائی انسانی جوڑے بہت سے رہے ہوں جن سے دنیا کے مختلف خطّوں کی آبادیاں الگ الگ پیدا ہوئی ہوں۔

دوسرے یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پوری رُوئے زمین پر سارے انسانوں کا ایک ہی خاندان تو نہیں ہو سکتا تھا۔ نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بے شمار خاندان بنیں اور پھر خاندانوں سے قبائل اور اقوام وجود

میں آجائیں۔ اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد رنگ، خدوخال، زبانیں اور طرزِ بود و ماند بھی لامحالہ مختلف ہی ہوجانے تھے، اور ایک خطے کے رہنے والوں کو باہم قریب تر اور دُور دراز خطوں کے رہنے والوں کو بعید تر ہی ہونا تھا۔ مگر اِس فطری فرق و اختلاف کا تقاضا یہ ہرگز نہ تھا کہ اِس کی بنیاد پر اُونچ اور نیچ، شریف اور کمین، برتر اور کمتر کے امتیازات قائم کیے جائیں، ایک نسل دوسری نسل پر اپنی فضیلت جتائے، ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کو ذلیل و حقیر جانیں، ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوّق جمائے، اور انسانی حقوق میں ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح حاصل ہو۔ خالق نے جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا تھا وہ صرف یہ تھی کہ اُن کے درمیان باہمی تعارف اور تعاون کی فطری صورت یہی تھی۔ اِسی طریقے سے ایک خاندان، ایک برادری، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرت بنا سکتے تھے، اور زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے مددگار بن سکتے تھے۔ مگر یہ محض شیطانی جہالت تھی کہ جس چیز کو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت نے تعارُف کا ذریعہ بنایا تھا اُسے تفاخُر اور تَنافُر کا ذریعہ بنا لیا گیا اور پھر نوبت ظلم و عُدوان تک پہنچا دی گئی۔

تیسرے یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہوسکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان یکساں ہیں، کیونکہ اُن کا پیدا کرنے والا ایک ہے، ان کا مادۂ پیدائش اور طریقِ پیدائش ایک ہی ہے، اور ان سب کا نسب ایک ہی ماں باپ تک پہنچتا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کا کسی خاص ملک، قوم، یا برادری میں پیدا ہونا ایک اتفاقی امر ہے جس میں اُس کے اپنے ارادہ و انتخاب اور اس کی اپنی سعی و کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کوئی معقول وجہ نہیں کہ اِس لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہو۔ اصل چیز جس کی بنا پر ایک شخص کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا، بُرائیوں سے بچنے والا، اور نیکی و پاکیزگی کی راہ پر چلنے والا ہو۔ ایسا آدمی خواہ کسی نسل، کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنی ذاتی خوبی کی بنا پر قابلِ قدر ہے۔ اور جس کا حال اِس کے برعکس ہو وہ بہرحال ایک کمتر درجے کا انسان ہے چاہے وہ کالا ہو یا گورا، مشرق میں پیدا ہو یا مغرب میں۔

یہی حقائق جو قرآن کی ایک مختصر سی آیت میں بیان کیے گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ن کو اپنے مختلف خطبات اور ارشادات میں زیادہ کھول کر بیان فرمایا ہے۔ فتحِ مکہ کے موقع پر طوافِ کعبہ کے بعد آپ نے جو تقریر فرمائی تھی اس میں فرمایا:

اَلحمدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَذھب	شکر ہے اُس خدا کا جس نے تم سے جاہلیت کا
عنکم عَیبَۃَ الجاھلیۃ	عیب اور اس کا تکبّر دور کر دیا۔ لوگو، تمام انسان
وتکبُّرَھا۔ یَآ اَیھا الناس	بس دو ہی حصّوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک نیک
الناسُ رَجُلان، بَرٌّ تقی کریم	اور پرہیزگار، جو اللہ کی نگاہ میں عزّت والا ہے۔
علی اللّٰہِ، وفاجر شقی ھَیِّنٌ	دوسرا فاجر اور شقی، جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل
علی اللّٰہ۔ الناسُ کلھم بنو	ہے۔ ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد
آدم وخلق اللّٰہ آدم من	ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔

تُراب۔ (بیہقی فی شعب الایمان۔ ترمذی)

حجۃ الوداع کے موقع پر ایامِ تشریق کے وسط میں آپ نے ایک تقریر کی اور اس میں فرمایا:

یَآ ایھا النّاس۔ اَلا اِنّ	لوگو، خبردار رہو، تم سب کا خدا ایک
ربکم واحدٌ لا فضل لعربی	ہے۔ کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب
علی عجمی ولا لعجمی علیٰ	پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی
عربی ولا لِاسود علیٰ احمر	کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں
ولا لِاحمر علی اسود اِلّا	ہے۔ مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ اللہ کے
بالتقویٰ، ان اکرمکم عند	نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزّت والا وہ ہے
اللّٰہ اتقٰکم۔ اَلا ھل بلّغتُ	جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بتاؤ، میں نے
قالوا بلیٰ یا رسول اللّٰہ۔ قال	تمہیں بات پہنچا دی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں
فَلْیُبلِّغِ الشاھدُ الغائبَ	یا رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم)۔ فرمایا، اچھا تو جو موجود
(بیہقی)	ہے وہ اُن لوگوں تک یہ بات پہنچا دے جو موجود نہیں ہیں۔

ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے:

کُلُّکُم بنو آدم وآدم خُلِقَ	تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی

من تراب - ولینتھین قوم یفخرون باباءھم او لیکونن اھون علی اللہ من الجعلان (بزار)	سے پیدا کیے گئے تھے - لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ کی نگاہ میں حقیر کیڑوں سے زیادہ ذلیل ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا:

ان اللہ لا یسئلکم عن احسابکم ولا عن انسابکم یوم القیامۃ، ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (ابن جریر)	اللہ قیامت کے روز تمہارا حسب نسب نہیں پوچھے گا - اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔ (مسلم - ابن ماجہ)	اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔

یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں رہیں بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اہل ایمان کی ایک عالمگیر برادری عملاً قائم کر کے دکھا دی جس میں رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت کی کوئی تمیز نہیں جس میں اونچ نیچ اور چھوت چھات اور تفریق و تعصب کا کوئی تصور نہیں، جس میں شریک ہونے والے تمام انسان، خواہ وہ کسی نسل و قوم اور ملک و وطن سے تعلق رکھتے ہوں، بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔ اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اصول کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور کسی نظام میں نہیں پائی جاتی، نہ کبھی پائی گئی ہے۔ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں اور قوموں کو ملا کر ایک عقیدے کی بنا پر ایک امت بنا دیا ہے۔

یہی ابدی قاعدہ آخرت میں بھی جاری ہوگا | اس سے آگے بڑھ کر قرآن نے لوگوں کو اس حقیقت سے باخبر

کیا کہ نسل و قوم و وطن کے بجائے عقیدہ و عمل کی بنیاد پر اختلاف اور اجتماع کا یہی قاعدہ موجودہ دنیا کے ختم ہونے کے بعد آخرت کی دوسری زندگی میں بھی اسی طرح جاری ہوگا، اور دوسری بنیادوں پر یہاں جو جتھہ بندیاں قائم ہیں وہ سب تتر بتر ہو جائیں گی:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ (الروم - ۱۴)

جس روز قیامت برپا ہوگی سب انسان اُس روز الگ گروہوں میں بٹ جائیں گے۔

یعنی دنیا کی وہ تمام جتھہ بندیاں جو آج قوم، نسل، وطن، زبان، قبیلہ و برادری اور معاشی و سیاسی مفادات کی بنیاد پر بنی ہوئی ہیں، اُس روز ٹوٹ جائیں گی، اور خالص عقیدے اور اخلاق و کردار کی بنیاد پر نئے سرے سے ایک دوسری گروہ بندی ہوگی۔ ایک طرف نوعِ انسانی کی تمام اگلی پچھلی قوموں میں سے مومن و صالح انسان الگ چھانٹ لیے جائیں گے اور ان سب کا ایک گروہ ہوگا۔ دوسری طرف ایک ایک قسم کے گمراہانہ نظریات و عقائد رکھنے والے اور ایک ایک قسم کے بدعمل اور جرائم پیشہ لوگ اُس عظیم الشان انسانی بھیڑ میں سے چھانٹ چھانٹ کر الگ نکال لیے جائیں گے اور ان کے الگ الگ گروہ بن جائیں گے۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیے کہ اسلام جس چیز کو اس دنیا میں تفریق اور اجتماع کی حقیقی بنیاد قرار دیتا ہے اور جسے جاہلیت کے پرستار یہاں ماننے سے انکار کرتے ہیں، آخرت میں اُسی بنیاد پر تفریق بھی ہوگی اور اجتماع بھی۔ اسلام کہتا ہے کہ انسانوں کو کاٹنے اور جوڑنے والی اصل چیز عقیدہ و اخلاق ہے۔ ایمان لانے والے اور خدا کی ہدایت پر نظامِ زندگی کی بنیاد رکھنے والے ایک اُمّت ہیں، خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے سے تعلق رکھتے ہوں۔ اور کفر و فسق کی راہ اختیار کرنے والے ایک دوسری اُمّت ہیں، خواہ ان کا تعلق کسی نسل و وطن سے ہو۔ ان دونوں کی قومیّت ایک نہیں ہو سکتی۔ یہ نہ دنیا میں ایک مشترک راہِ زندگی بنا کر ایک ساتھ چل سکتے ہیں اور نہ آخرت میں ان کا انجام ایک ہو سکتا ہے۔ دنیا سے آخرت تک اِن کی راہ اور منزل ایک دوسرے سے الگ ہے۔ جاہلیت کے پرستار اِس کے برعکس ہر زمانے میں اصرار کرتے رہے ہیں۔ اور آج بھی اس بات پر مُصِر ہیں کہ جتھہ بندی نسل و وطن اور زبان کی بنیادوں پر ہونی چاہیے۔ اِن بنیادوں کے لحاظ سے جو لوگ مشترک ہوں اُنھیں بلالحاظ مذہب و عقیدہ ایک قوم بن کر دوسری ایسی ہی قوموں کے مقابلے میں متحد ہونا چاہیے، اور اِس قومیت کا ایک ایسا نظامِ زندگی ہونا چاہیے جس میں توحید اور شرک اور دہریت

کے معتقدین سب ایک ساتھ مل کر چل سکیں - یہی تخیّل ابوجہل اور ابولہب اور سرداران قریش کا تھا جب وہ بار بار محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر الزام رکھتے تھے کہ اس شخص نے آکر ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ اِسی پر قرآن مجید یہاں متنبہ کر رہا ہے کہ تمہاری یہ تمام جتھہ بندیاں جو تم نے اس دنیا میں غلط بنیادوں پر کر رکھی ہیں آخر کار ٹوٹ جانے والی ہیں - نوعِ انسانی میں مستقل تفریق اسی عقیدے اور نظریۂ حیات اور اخلاق و کردار کی بنیاد پر ہونے والی ہے جس پر اسلام دنیا کی اِس زندگی میں کرنا چاہتا ہے - جن لوگوں کی منزل ایک نہیں ہے اُن کی راہِ زندگی آخر کیسے ایک ہو سکتی ہے -

اُمتِ مسلمہ جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا، تمام انسانوں کو ایک قرار دینے کے بعد اسلام ان کے درمیان صرف تقویٰ کو وجہ امتیاز قرار دیتا ہے، اور اسلام کے نقطۂ نظر سے تقویٰ کا مطلب ہے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کے بیان کردہ عقائد و احکام کو ماننا، اور آخرت کی باز پرس کو ملحوظ رکھتے ہوئے نافرمانی کی روش چھوڑ کر فرمانبرداری کی روش اختیار کر لینا - اس لیے اسلام تمام نوعِ انسانی کو صرف دو حصّوں پر تقسیم کرتا ہے - ایک وہ جو ایمان لائے، اور دوسرا وہ جو ایمان نہ لائے - ایمان لانے والوں کو وہ ایک اُمت بناتا ہے اور اس کا نام اُمتِ مُسلِمہ رکھتا ہے جس میں دنیا کا ہر مومن شریک ہو سکتا ہے - اور یہ کوئی نیا نام نہیں ہے جو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اُوپر ایمان لانے والوں کے لیے رکھا ہو، بلکہ قدیم ترین زمانے سے تمام انبیاء کی اُمتوں کا اللہ تعالیٰ نے یہی نام رکھا ہے :

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا ۔ (الحج - ۷۸)

اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی -

"تمہارا" کا خطاب مخصوص طور پر صرف اُنہی اہل ایمان کی طرف نہیں ہے جو اِس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے، یا اِس کے بعد اہل ایمان کی صف میں داخل ہوئے - بلکہ اس کے مخاطب تمام وہ لوگ ہیں جو آغازِ تاریخِ انسانی سے توحید، آخرت، رسالت اور کتبِ الٰہی کے ماننے والے رہے ہیں - مدعا یہ ہے کہ اِس ملّتِ حق کے ماننے والے پہلے بھی "نوحی"، "ابراہیمی"، "موسوی"، "مسیحی" وغیرہ نہیں کہلاتے تھے بلکہ اُن کا نام "مُسلم" (اللہ کے تابعِ فرمان) تھا - اور آج بھی وہ "محمدی" نہیں بلکہ "مسلم" ہیں - اِس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کے لیے یہ سوال معمّا بن گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیروؤں کا نام قرآن سے پہلے "مسلم" کس کتاب میں رکھا گیا تھا - (ضروری نہیں کہ ہر زبان میں یہی عربی لفظ "مسلم" استعمال ہوا ہو-

لیکن انبیاء کے ماننے والوں کا جو نام بھی کسی زبان میں رکھا گیا وہ مسلم ہی کا ہم معنی تھا)۔

اُمت مسلمہ کی عالمگیری اور ازلیت وابدیت

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ - وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ -

جن لوگوں کو اِس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اِس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب یہ انہیں سُنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں "ہم اس پر ایمان لائے، یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم تو پہلے سے مُسلم ہیں"۔

(القصص- ۵۲-۵۳)۔

یعنی اس سے پہلے بھی ہم انبیاء اور کتب آسمانی کے ماننے والے تھے، اِس لیے اسلام کے سوا ہمارا کوئی اور دین نہ تھا۔ اور اب جو نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب لے کر آیا ہے اسے بھی ہم نے مان لیا ہے، لہٰذا درحقیقت ہمارے دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، بلکہ جیسے ہم پہلے مسلمان تھے ویسے ہی اب بھی مسلمان ہیں۔

ایمان لانے والے اہل کتاب کا یہ قول جسے قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے، اِس بات کی صاف صراحت کر دیتا ہے کہ اسلام صرف اُس دین کا نام نہیں ہے جسے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم لے کر آئے ہیں اور "مسلم" کی اصطلاح کا اطلاق محض حضور کے پیروؤں تک محدود نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ سے تمام انبیاء کا دین یہی اسلام تھا اور ہر زمانہ میں اُن سب کے پیرو مسلمان ہی تھے۔ یہ مسلمان اگر کبھی کافر ہوئے تو صرف اُس وقت جب کہ کسی بعد کے آنے والے نبیِ صادق کو ماننے سے اُنہوں نے انکار کر دیا۔ لیکن جو لوگ پہلے نبی کو مانتے تھے اور بعد کے آنے والے نبی پر بھی ایمان لے آئے ان کے اسلام میں کوئی انقطاع واقع نہیں ہوا۔ وہ جیسے مسلمان پہلے تھے ویسے ہی بعد میں رہے۔

تعجب ہے کہ بعض بڑے بڑے اہلِ علم بھی اس حقیقت کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں، حتیٰ کہ اِس صریح آیت کو دیکھ کر بھی اُن کا اطمینان نہ ہوا۔ علامہ سیوطی نے ایک مفصل رسالہ اس موضوع پر لکھا ہے کہ مُسلم کی اصطلاح صرف اُمت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے مُختص ہے۔ پھر جب یہ آیت اُن کے سامنے آئی تو خود فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ لیکن کہتے ہیں کہ میں نے پھر خدا سے دُعا کی کہ اِس

معاملہ میں مجھے شرحِ صدر عطا کر دے۔ آخر کار اپنی رائے سے رجوع کرنے کے بجائے انھوں نے اُس پر اصرار کیا اور اِس آیت کی متعدد تاویلیں کر ڈالیں جو ایک سے ایک بڑھ کر بے وزن ہیں۔ مثلاً اُن کی ایک تاویل یہ ہے کہ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ کے معنی ہیں ہم قرآن کے آنے سے پہلے ہی مُسلم بن جانے کا عزم رکھتے تھے، کیونکہ ہمیں اپنی کتابوں سے اس کے آنے کی خبر مل چکی تھی اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب وہ آئے گا تو ہم اسلام قبول کر لیں گے۔ اُن کی دوسری تاویل یہ ہے کہ اِس فقرے میں مسلمین کے بعد لفظ بِہٖ محذوف ہے، یعنی پہلے ہی سے ہم قرآن کو مانتے تھے، کیونکہ اُس کے آنے کی ہم توقع رکھتے تھے اور اس پر پیشگی ایمان لائے ہوئے تھے، اس لیے تورات و انجیل کو ماننے کی بنا پر نہیں بلکہ قرآن کو اُس کے نزول سے پہلے برحق مان لینے کی بنا پر ہم مسلم تھے۔ تیسری تاویل اُن کی یہ ہے کہ تقدیرِ الٰہی میں ہمارے لیے پہلے ہی مقدّر ہو چکا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی آمد پر ہم اسلام قبول کر لیں گے، اس لیے درحقیقت ہم پہلے ہی سے مسلم تھے۔ ان تاویلوں میں سے کسی کو دیکھ کر بھی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اللہ کے عطا کردہ شرحِ صدر کا اُس میں کوئی اثر موجود ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن صرف اِسی ایک مقام پر نہیں بلکہ بیسیوں مقامات پر اِس اصولی حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اصل دین صرف "اسلام" (اللہ کی فرمانبرداری) ہے، اور خدا کی کائنات میں خدا کے بندوں کے لیے اِس کے سوا کوئی دوسرا دین ہو نہیں سکتا، اور آغازِ آفرینش سے جو نبی بھی انسانوں کی ہدایت کے لیے آیا ہے وہ یہی دین لے کر آیا ہے، اور انبیاء علیہم السلام ہمیشہ خود مسلم رہے ہیں، اپنے پیروؤں کو انھوں نے مسلم ہی بن کر رہنے کی تاکید کی ہے، اور اُن کے وہ سب مُتَّبِعین جنھوں نے نبوت کے ذریعے سے آئے ہوئے فرمانِ خداوندی کے آگے سرِ تسلیم خم کیا، ہر زمانے میں مُسلم ہی تھے۔

اس سلسلے میں مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران۔ آیت ۹)	درحقیقت اللہ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے۔
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ (آل عمران۔ آیت ۸۵)	اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے تو وہ اُس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ -	میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلموں میں شامل ہو کر رہوں -

(یونس - ۷۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - وَوَصّٰی بِھَآ اِبْرٰھٖمُ بَنِیْہِ وَیَعْقُوْبُ، یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ - اَمْ کُنْتُمْ شُھَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْہِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ - قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰھًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ -	جب اُس کے رب نے اُس سے کہا کہ "مسلم (تابع فرمان) ہوجا"، تو اُس نے کہا "میں رب العالمین کا مسلم ہوگیا" - اور اسی چیز کی وصیت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی اور یعقوبؑ نے بھی، کہ "اے میرے بچو، اللہ نے تمہارے لیے اِس دین کو پسند کیا ہے لہذا تم کو موت نہ آئے مگر اِس حال میں کہ تم مسلم ہو" (اے یہودیو) کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی وفات کا وقت آیا؟ جب کہ اُس نے اپنی اولاد سے پوچھا "کس کی بندگی کروگے تم میرے بعد؟" انہوں نے جواب دیا "ہم بندگی کریں گے آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی، اُس کو اکیلا معبود مان کر، اور ہم اُسی کے مسلم ہیں"۔

(البقرہ - ۱۳۱ تا ۱۳۳)

مَا کَانَ اِبْرٰھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا -	ابراہیمؑ نہ یہودی تھا نہ نصرانی - بلکہ وہ یکسو مسلم تھا -

(آل عمران - ۶۷)

حضرت ابراہیم و اسمٰعیلؑ خود دعا مانگتے ہیں:۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ (البقرہ۔۱۲۸)

اے ہمارے رب، ہم کو اپنا مسلم بنا اور ہماری نسل سے ایک اُمت پیدا کر جو تیری مسلم ہو۔

حضرت لوطؑ کے قصے میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (الذاریات۔۳۶)

ہم نے قوم لوط کی لبستی میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا (یعنی خود حضرت لوطؑ کا گھر)۔

حضرت یوسفؑ بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں۔

تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ (یوسف۔۱۰۱)

مجھ کو مسلم ہونے کی حالت میں موت دے اور مجھے صالحوں کے ساتھ ملا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں:۔

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ۔ (یونس۔۸۴)

اے میری قوم کے لوگو، اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اُسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلم ہو۔

بنی اسرائیل کا اصل مذہب یہودیت نہیں بلکہ اسلام تھا، اس بات کو دوست اور دشمن سب جانتے تھے۔ چنانچہ فرعون سمندر میں ڈوبتے وقت آخری کلمہ جو کہتا ہے وہ یہ ہے:۔

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس۔۹۰)

میں مان گیا کہ کوئی معبود اُس کے سوا نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلموں میں سے ہوں۔

تمام انبیاء بنی اسرائیل کا دین بھی یہی اسلام تھا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ

ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اُسی کے مطابق وہ نبی جو مسلم تھے اُن لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرتے

هَادُوْا	(المائدہ - ۴۴)	تھے جو یہودی بن گئے تھے ۔

یہی حضرت سلیمان علیہ السلام کا دین تھا، چنانچہ ملکۂ سبا اُن پر ایمان لاتے ہوئے کہتی ہے :۔

اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (النمل - ۴۴)	میں سلیمان کے ساتھ رب العالمین کی مسلم ہو گئی ۔

اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے حواریوں کا دین تھا ۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ	اور جبکہ میں نے حواریوں پر وحی کی کہ ایمان
اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْآ	لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو انہوں نے کہا کہ
اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ	ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کر ہم مُسلم ہیں ۔

(المائدہ - ۱۱۱)

اس معاملہ میں اگر کوئی شک اِس بنا پر کیا جائے کہ عربی زبان کے الفاظ "اسلام" اور "مُسلم" اِن مختلف مُلکوں اور مختلف زبانوں میں کیسے مستعمل ہو سکتے تھے، تو ظاہر ہے کہ یہ محض ایک نادانی کی بات ہو گی۔ کیونکہ اصل اعتبار عربی کے اِن الفاظ کا نہیں بلکہ اُس معنی کا ہے جس کے لیے یہ الفاظ عربی میں مستعمل ہوتے ہیں ۔ دراصل جو بات اِن آیات میں بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کی طرف سے آیا ہوا حقیقی دین مسیحیت یا موسویت یا محمدیت نہیں ہے بلکہ انبیاء اور کتبِ آسمانی کے ذریعہ سے آئے ہوئے فرمانِ خداوندی کے آگے سرِ اطاعت جھکا دینا ہے، اور یہ رویّہ جہاں جس بندۂ خدا نے بھی جس زمانے میں اختیار کیا ہے وہ ایک ہی عالمگیر ازلی و ابدی دینِ حق کا متبع ہے۔ اس دین کو جن لوگوں نے ٹھیک ٹھیک شعور اور اخلاص کے ساتھ اختیار کیا ہے اُن کے لیے موسیٰ کے بعد مسیح کو اور مسیح کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کو ماننا تبدیلِ مذہب نہیں بلکہ حقیقی دین کے اتباع کا فطری و منطقی تقاضا ہے ۔ بخلاف اس کے جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے گروہوں میں بے سوچے سمجھے گھس آئے یا پیدا ہو گئے اور قومی و نسلی اور گروہی تعصبات نے جن کے لیے اصل مذہب کی حیثیت اختیار کر لی، وہ بس یہودی یا مسیحی بن کر رہ گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر اُن کی جہالت کی قلعی کھُل گئی۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کے آخری نبی کا انکار کر کے نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لیے مسلم رہنا قبول نہ کیا بلکہ اپنی اِس حرکت سے یہ ثابت کر دیا کہ حقیقت میں وہ پہلے بھی "مسلم" نہ تھے محض ایک نبی یا بعض انبیاء کی شخصی گرویدگی میں مبتلا تھے، یا آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کو دین بنائے بیٹھے تھے ۔ (باقی)